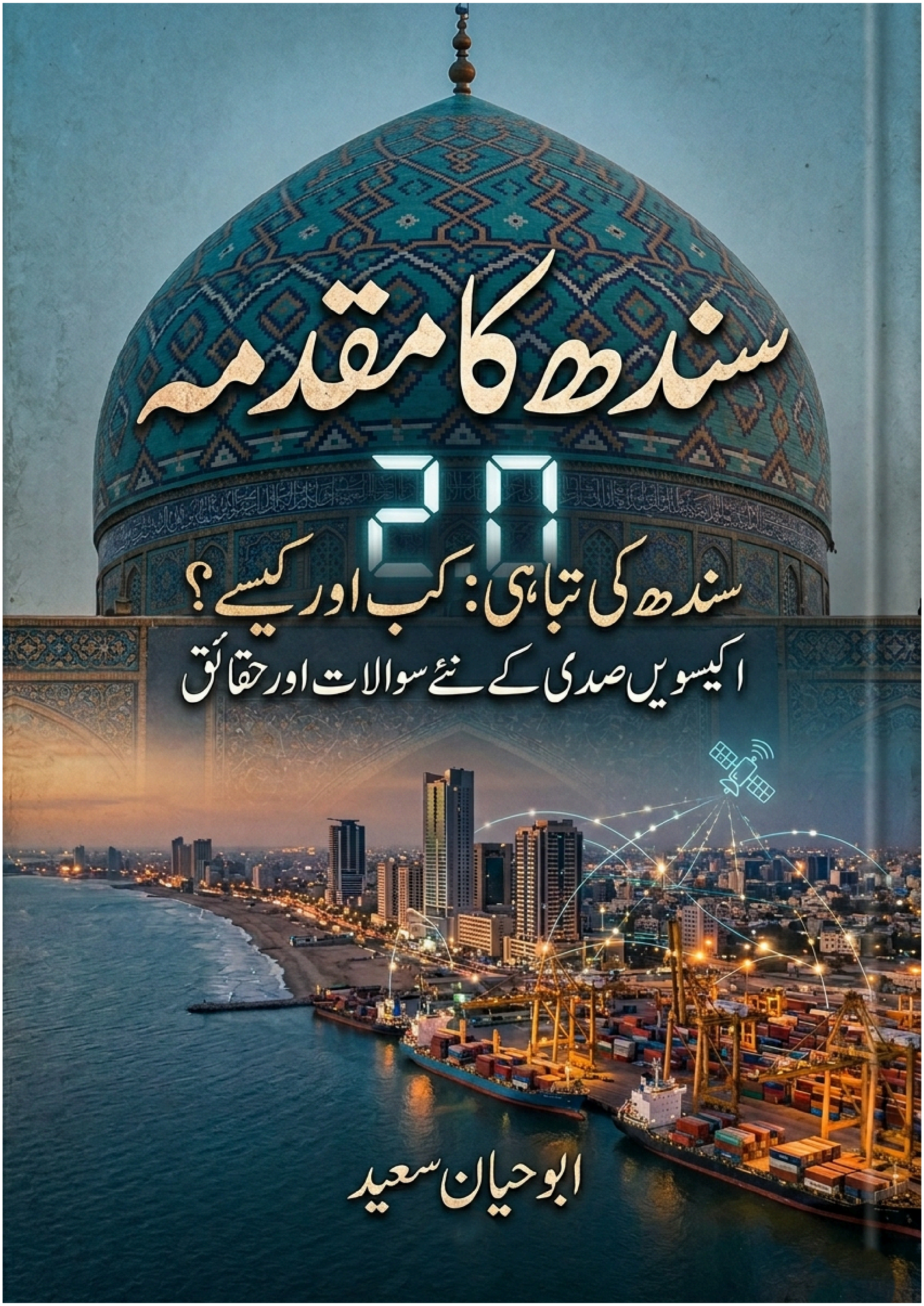
سندھ کا مقدمہ
20
سندھ کی تباہی: کب اور کیسے؟
اکیسویں صدی کے نئے سوالات اور حقائق
ابوحیان سعید

دیباچہ

میں نے یہ تمام مضامین جون 2026 میں لکھے ہیں، اس طرح آپ ان مضامین کو پڑھ کر سندھ کی تباہی کی اصل صورتحال اور اسباب سمجھ جائیں گے۔
ابو حیان سعید
22 جون 2026

پنجاب سندھ کو کھا گیا ھے ، اردو بولنے والوں نے سندھ کو لوٹ لیا ھے ، پنجاب سندھ کا پانی چوری کرتا ھے ، ارسا سندھ کے پانی کی چوری میں ملوث ھے ۔
ایک محتاط اندازے کے مطابق، گدو بیراج سے لے کر کوٹری اور کے بی فیڈر کے پورے روٹ پر 15,000 سے 20,000 غیر قانونی لفٹ پمپس اور پیٹر انجن نصب ہیں۔ صرف کراچی کو پانی دینے والے روٹ پر 500 سے 800 کے قریب بڑے بڑے بھاری انڈسٹریل پمپس (8 انچ سے 24 انچ قطر والے) لگے ہوئے ہیں۔ بااثر سندھی سیاسی وڈیرے ان پمپس کے ذریعے کوٹری ڈاؤن اسٹریم (بدین ، ٹھٹہ وغیرہ کے حصے) کا پانی چوری کرنے کے علاوہ کھینجر کے ذریعے کراچی کےحصے کا پانی بھی چوری کر کے اپنے نجی فش فارموں اور گنے و کیلے کے باغات کو سیراب کرتے ہیں۔ محکمہ انہار اور مقامی انتظامیہ ان طاقتور چوروں کے سامنے مکمل طور پر بے بس ہے۔ پانی کی کمی کا ڈرامہ کرنے کے لیئے اپنے پالتو غلاموں سے دہائیاں دلواتے ھیں اس دھندہ کرنے والی کی طرح جو رات بھر کی موج مستی اور نوٹوں کی وصولی کے بعد صبح سویرے رولا رپا ڈالتی ھے” ھائے میں لٹ گئ ھائے میں برباد ھو گئ، ھائے میں لٹ گئ رے “

بجٹ بک کے کھرب پتی: سندھ کے اٹھارہ سالہ اقتدار کا مختصر جائزہ ۔۔

ابو حیان سعید
18 جون 2026

اختتامیہ :
آپ حیران ہو رہے ہوں گے یہ کون سا مضمون ہے کہ شروع ہونے سے پہلے ہی اختتامیہ آ گیا ۔۔ ہم اپنے موڈ کے مطابق ہی کام کر سکتے ہیں ۔
اب بات شروع کرتے ہیں ---
پیپلز پارٹی بری ہرگز نہی ہے لیکن پیپلز پارٹی کے پیچھے جو نفرت انگیز اور زہریلی سوچ ہے اس سوچ نے عام سندھیوں کے ذہن کو ماؤف کر دیا ہے اور وہ پنجاب اور مہاجروں کو اپنی تمام محرومیوں کا ذمہ دار سمجھتے ہیں ، اس سوچ کو ختم کیئے بغیر سندھ اگلے پانچ سو سال میں بھی ترقی نہی کر سکے گا اور پانچ سو سال بعد بھی سندھیوں کو یہی لولی پاپ دیا جائے گا کہ پنجاب تمہارے حقوق غضب کر لیتا ہے اور اردو بولنے والے مہاجر سندھ کی ترقی نہی چاہتے ۔ گویا پنجاب اور اردو بولنے والے مہاجر پی پی پی کی سندھی حکومت سے کہتے ہیں کہ سندھ کا سارا پیسہ دبئ ، لندن ، نیویارک لے جاؤ اور سندھ پر کچھ نہی لگاؤ بس سندھیوں کو موچڑے مارتے رہو --- کتنی معصوم سندھی حکومت ہے کہ پنجاب اور مہاجروں کی یہ بات فورا مانتی چلی آ رہی ہے ایسی مصومیت تو شاید فرشتوں میں ہی ہو سکتی ہے ۔
سندھ شریف کے بجٹوں کی داستان ذرا سن لیں ۔۔ وزیر اعلی سندھ چند دن قبل اسمبلی میں بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں " صوبے کا بجٹ ریکارڈ سطح پر پہنچ گیا ہے "۔
یہ بجٹ بک کے صفحات پر بکھرا ہوا وہ سفید جھوٹ ہے جو پچھلے اٹھارہ سالوں سے سندھ کے عوام کے ساتھ بولا جا رہا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی (PPP) کے 2008 سے لے کر اب تک کے مسلسل اقتدار کا اگر ایک لائن

میں خلاصہ کیا جائے ، تو وہ یہ ہے " کاغذی دستاویزات میں کھربوں کی بارش اور زمین پر قحط کا سیلاب " اعداد و شمار کے جادوگر ہر سال سندھ اسمبلی کے فلور پر کھڑے ہو کر فخر سے بتاتے ہیں کہ صوبے کا بجٹ ریکارڈ سطح پر پہنچ گیا ہے، لیکن کچے کے ڈاکوؤں، تھر کے غذائی قلت کا شکار بچوں، لاڑکانہ ، دادو، سانگھڑ ، خیرپور، شکار پور، ٹھٹہ ، بدین وغیرہ کی حالت زار و تباھی اور کراچی کی ٹوٹی ہوئی سڑکوں ، ابلتے گٹروں ، کچرے کے ڈھیروں کو دیکھ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بجٹ عوام کے لیے نہیں، بلکہ سندھی بیوروکریسی، من پسند ٹھیکیداروں اور سیاسی حکمران سندھی حرامیہ کی جیبیں بھرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت دبئ میں سندھ کابینہ کے اراکین کی اربوں ڈالرز کی جائیدادیں ھیں،سندھ کابینہ کے وزرا آخر ایسا کونسا کاروبار کرتے ھیں جو دو چار سال میں فی بندہ دو چار ارب ڈالر کما کر دبئ میں جائیدادیں بنا لیتا ھے ، جناب یہ گیڈر سنگھی سندھ کے ھر ضلع کےعوام کو بھی ایک ایک دن کے لئے ملنی چاہیئے ۔

اگر اس طویل سندھی اقتدار کا سال بہ سال اور دور بہ دور جائزہ لیا جائے، تو عظیم الشان کرپشن اور نااہلی کا ایک ایسا منظم نیٹ ورک سامنے آتا ہے جسے قانونی زبان میں "سسٹمک کرپشن" یا کھربوں روپے کی منظم چوری کہا جاتا ہے۔

یہ کہانی 2008 سے 2013 کے درمیان شروع ہوتی ہے۔ بینظیر بھٹو کی شہادت کی ہمدردی لہر پر بننے والی اس حکومت کے ابتدائی سالوں میں صوبے کا سالانہ بجٹ دو سو سے چار سو ارب روپے کے درمیان گھوم رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ملک میں ساتواں این ایف سی (NFC) ایوارڈ نافذ ہوا، جس نے سندھ کے خزانے میں وفاق سے آنے والے بے تحاشہ پیسوں کا رخ یکدم موڑ دیا۔ صوبے کو ملنے والا حصہ 24.55 فیصد طے پایا۔ وسائل بے تحاشہ بڑھے، لیکن نیتیں چھوٹی رہیں۔ اس دور کے پانچ سالوں میں صوبائی خزانے میں لگ بھگ دو ہزار ارب روپے سے زائد رقم آئی، مگر زمین پر کیا بدلا ؟ اسی دور میں 2010 کا تباہ کن سیلاب آیا۔ سیلاب کی آڑ میں غیر ملکی

امداد اور صوبائی فنڈز کا وہ بے دریغ استعمال شروع ہوا جس نے سندھ میں "فلڈ اکنامی" کو جنم دیا۔ کاغذات پر حفاظتی بند بنتے رہے، بلاول بوٹو گذشتہ سال 2025 میں بھی 2010 کے سیلاب متاثرین میں ایک ایک کمرے کے گھر بانٹ رھے تھے ، سیلاب آیا 2010 میں اور امداد کے نام پر چند درجن ایک ایک کمرے کے کچے گھر تقسیم کیئے جارھے ھیں 2025 میں ۔۔ ! نہروں کی بھل صفائی کے نام پر کروڑوں روپے نکالے جاتے رہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ کسانوں کو سستے بیج اور کھاد تک نصیب نہ ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جہاں ترقیاتی بجٹ کا پچاس فیصد سے زائد حصہ سال کے آخری تین مہینوں میں "لیپس" ہونے سے بچانے کے لیے ہنگامی طور پر جاری کیا جاتا اور بغیر کسی مانیٹرنگ کے سندھی وزیروں کے ٹھیکیداروں کی نذر کر دیا جاتا ھے ۔

2013 سے 2018 کے دوسرے دورِ اقتدار میں یہ لوٹ مار مزید منظم ہو گئی۔ اس دور میں سالانہ ریونیو کا حجم پانچ سو ارب سے بڑھ کر ساڑھے سات سو ارب روپے سالانہ تک جا پہنچا۔ پانچ سالوں میں کل آمدنی کا گراف ساڑھے تین ہزار ارب روپے کو چھو گیا۔ اسی دور کے درمیانی حصے میں یعنی سنہ 2011 میں سندھ ریونیو بورڈ (SRB) قائم ہو چکا تھا، جس نے کراچی کی سروسز انڈسٹری سے اربوں روپے کا صوبائی ٹیکس نچوڑنا شروع کیا۔ اب سندھ حکومت وفاق کی محتاج نہیں رہی تھی، اس کے اپنے ہاتھ میں بھی اربوں کا ٹیکس آ رہا تھا۔ لیکن اس دور کا سب سے بڑا المیہ " گھوسٹ اسکولز" اور " کاغذی سڑکوں" کا عروج تھا۔ تعلیم کا بجٹ ہر سال سو ارب روپے سے تجاوز کرتا رہا، مگر اسکول اوطاق بنتے رہے۔ نیب اور اینٹی کرپشن کی رپورٹس گواہ ہیں کہ سکھر، لاڑکانہ اور دادو کے اضلاع میں ایک ہی سڑک کی مرمت کا فنڈ تین تین بار نکالا گیا، جبکہ زمین پر پرانی لکیر بھی موجود نہیں تھی۔

کراچی، جو اس پورے صوبے کو اسی فیصد ٹیکس کما کر دے رہا تھا، اسے "میگا پروجیکٹس" کا لالی پاپ دے کر سالانہ محض بیس سے چوبیس ارب

روپے پر ٹرخایا جاتا رہا، جبکہ باقی سندھ کے نام پر اڑائے جانے والے سینکڑوں ارب روپے وزیروں کے بینک اکاؤنٹس کی زینت بنتے رہے۔

2018 سے 2023 کا تیسرا دورِ اقتدار سندھ کی تاریخ کا سیاہ ترین معاشی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں صوبے کی پانچ سالہ آمدنی پانچ ہزار ارب روپے سے تجاوز کر گئی۔ مہنگائی اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبی عوام کے خون پسینے کی کمائی سے خزانہ بھر رہا تھا، لیکن دوسری طرف 2022 میں تاریخ کا بدترین سیلاب آیا۔ اس سیلاب نے سندھ حکومت کے پچھلے چودہ سال کے ترقیاتی دعووں کا جنازہ نکال دیا۔ جو سڑکیں، جو اسکول، جو ہسپتال کاغذات پر اربوں روپے سے تعمیر ہوئے تھے، وہ پانی کے ایک ریلے میں بہہ گئے۔ اس کا مطلب صاف تھا: مٹیریل اتنا ناقص تھا کہ وہ پہلی ہی آزمائش نہ سہہ سکا۔ سیلاب کے بعد عالمی برادری اور وفاق سے ملنے والے اربوں روپے کے بحالی فنڈز کہاں گئے؟ سندھ کے دیہی علاقوں کے عوام آج بھی خیموں اور مٹی کے کچے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں، جبکہ صوبائی بیوروکریسی کی مراعات اور لگژری گاڑیوں کے بجٹ میں دگنا اضافہ کر دیا گیا۔ اسی دور میں کراچی کے فنڈز کا حجم کاغذی طور پر پچاس سے ساٹھ ارب دکھایا گیا، لیکن شہر کی پیاس بجھانے والا K-IV منصوبہ پچھلی ایک دہائی کی طرح صرف فائلوں میں گھومتا رہا۔

اور اب 2024 سے شروع ہونے والا چوتھا دورِ اقتدار اور موجودہ مالیاتی سال 2026-27 کا بجٹ اس بے حسی کا عروج ہے۔ موجودہ بجٹ کا حجم ساڑھے تین ہزار ارب روپے سے تجاوز کر چکا ہے، جس میں سے اکیلے کراچی کے لیے 108 ارب روپے مختص کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ بذاتِ خود ایک بڑا دھوکہ ہے۔

آئیں سندھ کی آمدنی کا ایک انتہائی حقیقت پسندانہ اور گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں کہ وفاق نے اصل میں سندھ کو کیا دیا اور صوبے نے خود کیا کمایا۔ اگر ہم پچھلے سالوں کے ٹیکس ہدف، ایف بی آر کے اصل اعداو شمار اور نظرِ ثانی شدہ بجٹ (Revised Estimates) کا انتہائی باریک بینی سے جائزہ لیں، تو یہ مجموعی رقم 19,000 ارب سے کہیں زیادہ نکلتی ہے۔
پچھلے 18 سالوں کا اصل اور حقیقی معاشی کٹھ چٹھا درج ذیل ہے:

1۔ وفاقی این ایف سی (NFC) شیئر کی اصل حقیقت

7ویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد وفاق سے سندھ کا حصہ جو پہلے اربوں میں تھا، وہ کھربوں میں بدل گیا۔
حالیہ 4 سال (2023ء تا 2027ء): صرف ان چار سالوں میں مہنگائی کی لہر اور ایف بی آر کے بڑے اہداف کی وجہ سے وفاق نے سندھ کو این ایف سی کی مد میں ریکارڈ رقم منتقل کی۔ مالیاتی سال 2024-25 میں یہ رقم تقریباً 1,400 ارب تھی، 2025-26 میں 1,700 ارب سے اوپر گئی اور موجودہ مالیاتی سال 2026-27 میں یہ 1,900 ارب روپے سے زائد متوقع ہے۔ یعنی صرف ان چار سالوں کا مجموعہ ہی تقریباً 6,000 ارب روپے بن جاتا ہے۔

درمیانی 5 سال (2018ء تا 2023ء): اس دور میں سندھ کو وفاق سے سالانہ اوسطاً 800 سے 1,100 ارب روپے ملے۔ ان پانچ سالوں کا کل حصہ تقریباً 4,800 ارب روپے بنتا ہے۔

ابتدائی 9 سال (2008ء تا 2018ء): اگرچہ اس دور میں روپے کی قدر بہتر تھی، لیکن 2010ء کے بعد وفاقی منتقلی تیزی سے بڑھی جو سالانہ 250 ارب سے شروع ہو کر 600 ارب روپے سالانہ تک پہنچی۔ ان نو سالوں کا مجموعی حجم تقریباً 4,200 ارب روپے بنتا ہے۔

صرف وفاقی این ایف سی پول کا اصل مجموعہ ہی 15,000 ارب روپے کے ارد گرد پہنچ جاتا ہے۔

2۔ صوبائی ٹیکسوں (SRB و دیگر) کی اپنی کمائی

سندھ حکومت نے خاص طور پر کراچی کے سروسز سیکٹر سے جو ٹیکس نچوڑا، وہ وفاق کے علاوہ تھا۔
سندھ ریونیو بورڈ (SRB): سنہ 2011ء میں اپنے قیام سے لے کر اب تک ایس آر بی نے کراچی کے کارپوریٹ سیکٹر کی بدولت صوبائی خزانے میں ریکارڈ اضافہ کیا۔ حالیہ بجٹ میں صرف سروسز ٹیکس کا ہدف 350 ارب روپے سے زائد ہے، جبکہ پچھلے سالوں میں یہ مسلسل 150 سے 250 ارب روپے سالانہ رہا۔

دیگر صوبائی ٹیکس: ایکسائز (گاڑیوں کا ٹیکس)، انفراسٹرکچر سیز (Cess)، اسٹیمپ ڈیوٹی اور نان ٹیکس ریونیو کو ملا کر صوبہ خود سالانہ اوسطاً 100 سے 150 ارب روپے اضافی اکٹھا کرتا رہا ہے۔
ان 18 سالوں میں سندھ کی اپنی ٹیکس کمائی کا مجموعہ کم و بیش 3,500 ارب سے 4,000 ارب روپے بنتا ہے۔

حقیقی اور درست مجموعی رقم (The True Total)

اگر ہم ان دونوں کو مکمل درستی اور موجودہ بجٹ دستاویزات کے مطابق جمع کریں، تو سندھ حکومت کو پچھلے 18 سالوں میں وفاق اور صوبائی ٹیکسوں کی مد میں ملنے والی کل رقم تقریباً 18,500 ارب سے 19,500 ارب روپے (Nearly 19 to 20 Trillion Rupees) بنتی ہے۔

کراچی کا مبینہ حصہ: اگر سندھ حکومت کے تمام دعووں (انتظامی، سیکیورٹی، ہسپتال) کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر بھی دیکھا جائے تو وہ 5,500 ارب روپے سے اوپر نہیں جاتا۔

باقی سندھ کا پراسرار گڑھا: اس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سندھ کے نام پر خرچ ہونے والی رقم تقریباً 13,000 ارب سے 14,000 ارب روپے (13 to 14 Trillion Rupees) بنتی ہے!
چودہ ہزار ارب روپے کی یہ وہ خطیر رقم ہے جو پچھلے 18 سالوں میں اندرونِ سندھ کے اضلاع پر کاغذی طور پر خرچ کر دی گئی، لیکن زمین پر اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ یہ رقم اتنی بڑی ہے کہ اس سے ملک کے تینوں صوبوں کے دیہی انفراسٹرکچر کو بدلا جا سکتا تھا، مگر سندھ کے ہسپتالوں، اسکولوں اور سڑکوں کی حالت دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ اس رقم کا ایک بہت بڑا حصہ کرپشن، کک بیکس اور سیاسی عیاشیوں کی نذر ہو چکا ہے۔

اگر پچھلے اٹھارہ سالوں کی کل آمدنی 19 ہزار ارب روپے (19 Trillion) کو سامنے رکھا جائے، اور سندھ حکومت کے اس مضحکہ خیز دعوے کو سچ مان لیا جائے کہ انہوں نے کراچی پر پانچ ہزار ارب روپے خرچ کیے، تو پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پانچ ہزار ارب روپے کراچی میں کہاں لگے ؟
کیونکہ کراچی کے تقریبا تمام بڑے پروجیکٹ ورلڈ بینک ، ایشیائ ترقیاتی بینک کی اسی فیصد فنڈنگ سے شروع کئے گئے تھے جن میں کئ میگا پروجیکٹ اس لیئے برسوں سے التوا کا شکار ھیں ان پروجیکٹس کا پیسہ سندھ حکومت ھڑپ کر گئ ھے ۔
اب رھا دوسرا سوال کہ باقی سندھ پر خرچ ہونے والے چودہ ہزار ارب روپے کہاں گئے؟ چودہ ہزار ارب روپے ایک ایسی خطیر رقم ہے جس سے پورا سندھ ایک جدید یورپی ریاست میں تبدیل ہو سکتا تھا، لیکن اندرونِ سندھ کے ہسپتالوں میں آج بھی کتے کے کاٹنے کی ویکسین دستیاب نہیں ہے، اسکولوں

کی چھتیں بچوں پر گر رہی ہیں، اور پینے کا صاف پانی ایک عیاشی بن چکا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ اس چودہ ہزار ارب روپے کا ستر فیصد سے زائد حصہ "جاری اخراجات" یعنی نوکریوں کی بندر بانٹ، سیاسی وفاداریاں خریدنے کے لیے دی جانے والی تنخواہوں، مراعات، اور بیوروکریسی کی عیاشیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ ترقیاتی بجٹ کا جو تیس فیصد حصہ بچتا ہے، وہ پچاس فیصد "کمیشن اور کک بیکس" کی نذر ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔ یہ کرپشن نہیں، یہ سندھ کے ساڑھے پانچ کروڑ عوام کے مستقبل پر ڈاکہ ہے۔ اٹھارہ سالہ مسلسل اقتدار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب تک احتساب کا کوئی کڑا اور بے لچک نظام اس بجٹ بک کا پوسٹ مارٹم نہیں کرے گا، تب تک سندھ کی کھربوں کی یہ چوری ہر سال نئے بجٹ کی شکل میں عوام کا مذاق اڑاتی رہے گی اور احتساب پاکستان میں ھونا نہی ھے کیونکہ تاریخ نے ثابت کیا ھے کہ احتساب صرف گلوٹین سے ھی ممکن ھے اگر گلوٹین لگی تو دریاؤں میں بہت عرصے تک خون ھی بہے گا اور لاکھوں قبریں اکھاڑ دی جائیں گی اور ھڈیوں تک کو جلایا جائے گا ۔

سندھ بجٹ کے اعداد و شمار بھی جھوٹ کا پلندہ ھیں ۔ دعوی کیا جا رھا ھے کہ این آئ سی وی ڈی (دل کا اسپتال) ، این آئ سی ایچ (بچوں کا اسپتال) ، ایس آئ یو ٹی (گردوں کا اسپتال) سندھ حکومت کے پیسوں سے چل رھا ھے اس سے بڑا جھوٹ مریخ پر ھی بولا جا سکتا ھے یہ تمام اسپتال بڑے بڑے کاروباری گروپوں کے اربوں روپے کے ڈونیشنز پر چل رھے ھیں تمام جدید طبی آلات بھی مخیر حضرات کے ڈونیشنز پر فراھم کیئے جاتے ھیں حتی کہ دل کے مریضوں کی بڑی تعداد پیس میکرز، اسٹنٹ وغیرہ خود خریدتی ھے اسی طرح کراچی یونیورسٹی ، این ای ڈی اور سرکاری میڈیکل یونیورسٹیز وغیرہ میں طلبا پوری پوری فیس دے کر تعلیم حاصل کرتے ھیں حتی کہ حسین ابراھیم جمال انسٹیٹیوٹ آف کیمسٹری اور اس سے ملحق تمام ریسرچ ادارے عشروں سے چند خاندانوں کے بھاری ڈونیشنز پر چل رھے ھیں البتہ یہ ضرور

ہوتا ھے کہ افتتاح سندھی وزیر صحت ، وزیر تعلیم یا وزیر اعلی سندھ سے کروایا جاتا ھے جسکی تختیاں ھر ادارے میں ھر نئے کام کے شروع میں لگی ہوتی ھیں ۔ لیکن افتتاحی تختی کے پیسے بھی سندھ حکومت نہی دیتی ۔

سندھ شریف کائنات کا ایک ایسا خطہ ھے کہ جہاں آپ کسی حکومتی شخصیت سے بجٹ کا کچھ پوچھ بیٹھیں تو جواب ملتا ھے ارسا ھمارا پانی چوری کر رھا ھے اور کراچی والے سندھ کے دشمن اور پنجاب کے ایجنٹ ھیں ---

رھے نام اللہ کا --

سندھی کب تک غلام رہے گا۔

ابو حیان سعید
9 جون 2026

سندھ کا سیاسی اور سماجی منظرنامہ دہائیوں سے ایک عجیب تضاد کا شکار رہا ہے۔ ایک طرف بابِ اسلام، صوفیا کی دھرتی، اور پاکستان کا سب سے زیادہ ریونیو پیدا کرنے والا صوبہ ہے، تو دوسری طرف غربت، جہالت، پسماندگی اور بنیادی انسانی سہولیات کا ہولناک قحط ہے۔ جب بھی سندھ کے ان بنیادی مسائل پر بات کی جاتی ہے، تو بحث کا رخ بڑی چالاکی سے لسانی، صوبائی یا قومی تعصبات کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ عام سندھی شعور کو برسوں سے ایک مصنوعی خوف میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ ان کی بقا کو خطرہ ہے، ان کی زمینوں پر غیروں کا قبضہ ہے، اور پنجاب ، کراچی یا حیدرآباد کے مہاجر ان کے حقوق کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ لیکن اگر آج کا باشعور انسان تعصب کی عینک اتار کر خالصتاً زمینی حقائق، معاشی اشاریوں اور طرزِ حکمرانی کا جائزہ لے، تو حقیقت بالکل اس کے برعکس نظر آتی ہے۔

سندھ کی ترقی کی راہ میں اصل رکاوٹ کوئی دوسرا طبقہ یا برادری نہیں، بلکہ وہ استحصالی سندھی وڈیرہ شاہی، جاگیردارانہ نظام اور مفاد پرست سندھی سیاسی حرامیہ ہے جس نے سندھ کے وسائل کو اپنی ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے۔

اس تلخ حقیقت کو سمجھنے کے لیے اگر ہم ایک لمحے کے لیے کراچی اور حیدرآباد جیسے بڑے شہری مراکز کو سندھ کے نقشے سے الگ کر کے صرف اندرونِ سندھ کا جائزہ لیں، تو سندھی حکمران ٹولے کی "پنجاب اور مہاجر دشمنی" کی سیاست کا پول کھل جاتا ہے۔ اس سیاست کا مقصد کبھی بھی عام سندھی کی فلاح و بہبود نہیں رہا، بلکہ یہ ہمیشہ سے ان کے اپنے سیاسی و

معاشی مفادات کو تحفظ دینے کا ایک کارآمد ہتھیار رہا ہے۔ جب تک سندھی عوام کو ایک فرضی دشمن کا خوف دکھایا جاتا رہے گا، تب تک وہ اپنے منتخب نمائندوں سے ان کا حساب نہیں مانگیں گے، اور یہی اس استحصالی نظام کی اصل طاقت ہے۔

اگر ہم پڑوسی صوبے پنجاب کا تقابلی جائزہ لیں، تو پبلک پالیسی اور ترقی کا ایک بالکل مختلف ماڈل سامنے آتا ہے۔ پنجاب کے بارے میں یہ نعرہ عام ہے کہ "پنجاب کھاتا ہے تو لگاتا بھی ہے"۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ پنجاب نے ترقی کو صرف لاہور تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنے ثانوی شہروں کو معاشی اور صنعتی طور پر خودمختار بنایا۔ پنجاب کے پاس کوئی سمندر یا بندرگاہ نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں کے چھوٹے بڑے شہر اپنی ایک منفرد صنعتی اور اقتصادی پہچان رکھتے ہیں۔ سیالکوٹ جیسا شہر دنیا بھر میں کھیلوں کے سامان اور سرجیکل آلات کے لیے مشہور ہے۔ فیصل آباد اور ملتان کپڑے کی صنعت کے عالمی مراکز بن چکے ہیں۔ گوجرانوالہ اور بہاولپور مینوفیکچرنگ اور زرعی معیشت میں اپنا بڑا مقام رکھتے ہیں۔ وہاں موٹرویز کا ایک وسیع جال موجود ہے، بین الاقوامی معیار کے ائیرپورٹس ہیں، جدید ریلوے اسٹیشنز ہیں، اور میٹرو جیسے پبلک ٹرانسپورٹ کے نظام موجود ہیں۔ اگر لاہور کو پنجاب سے الگ بھی سوچا جائے، تو پنجاب کے دیگر شہر اپنی معاشی طاقت پر قائم رہنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

اب اس کے برعکس اندرونِ سندھ کے اہم شہروں جیسے لاڑکانہ، نوابشاہ، سکھر، دادو، اور بدین کی صورتحال دیکھیں۔ کیا ان شہروں کی اپنی کوئی آزاد معاشی یا صنعتی پہچان قائم ہو سکی؟ عشروں سے زائد عرصے سے حکومت کرنے والی سندھی حکومتیں ان شہروں میں کوئی ایسا بڑا صنعتی زون بنا سکی جسے فیکٹریوں کا شہر کہا جا سکے؟ کیا لاڑکانہ یا نوابشاہ میں کوئی ایسا بین الاقوامی ائیرپورٹ ہے جہاں دنیا بھر سے پروازیں آ سکیں؟ کیا ان شہروں کا ٹرانسپورٹ سسٹم پنجاب کے کسی چھوٹے شہر کا مقابلہ کر سکتا

ہے؟ سکھر اور حیدرآباد موٹروے کا منصوبہ برسوں سے التوا کا شکار رہا، جبکہ پنجاب کا کونا کونا موٹروے سے جڑ چکا ہے۔ تعلیم کے میدان میں دیکھیں تو ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی ٹاپ ٹین یونیورسٹیوں میں اندرونِ سندھ کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ کھیلوں کے میدان میں کوئی ایسا اسٹیڈیم نہیں جہاں بین الاقوامی میچز منعقد ہو سکیں، اور نہ ہی کوئی ایسا تعلیمی ادارہ قائم ہو سکا جو ملک کے نامور نجی یا سرکاری اداروں کا مقابلہ کر سکے۔ سب سے بڑا گردوں کا اسپتال ایس آئ یو ٹی اور انڈس اسپتال تک بڑے صنعتی گروپوں کے اربوں روپے کے چندوں سے چل رهے هیں ۔ جناح کارڈیوویسکولر اسپتال جس میں هزاروں مریض پورے سندھ سے آتے هیں کے لیئے سندھ حکومت فی مریض 3 روپے مختص کرتی هے ذرا سوچیئے فی مریض 3 روپے اور دل کا مریض --- یہ تو کراچی کے کاروباری گروپس هیں جو اربوں روپے خرچ کر کے نئے نئے وارڈز اور سہولیات فراهم کر رهی هیں ورنہ سندھ کی وزیر صحت جو صدر زرداری کی همشیرہ هیں کو تو دبئ میں پراپرٹیز بنانے سے فرصت هی کہاں !

یہاں یہ سوال اٹھانا ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ان تمام محرومیوں کا ذمہ دار کون ہے؟
کیا کراچی اور حیدرآباد کے مہاجروں نے سکھر-حیدرآباد موٹروے بننے سے روکا تھا ؟
کیا مہاجروں نے اندرونِ سندھ فیکٹریوں اور کارخانوں کے قیام پر پابندی لگائی تھی؟
کیا تھر کی خشک سالی، وہاں بھوک سے مرنے والے معصوم بچوں، اور ہسپتالوں میں ادویات کی عدم دستیابی کے ذمہ دار مہاجر ہیں؟
کیا کراچی کے لوگوں نے لاڑکانہ، شکار پور ، سانگھڑ اور دادو میں معیاری اسکول، کالجز اور ہسپتال کھولنے سے منع کیا تھا؟
ظاہر ہے کہ ان سب کا جواب "نہیں" ہے۔ ان تمام تر تباہی و بربادی کے ذمہ دار وہ سندھی وزراء، وڈیرے اور جاگیردار ہیں جو دہائیوں سے سندھ کے

اقتدار کے ایوانوں پر قابض ہیں، جو وفاق سے سندھ کے حقوق اور این ایف سی ایوارڈ کے نام پر اربوں ڈالرز وصول کرتے ہیں، لیکن وہ پیسہ غریب عوام پر خرچ ہونے کے بجائے دبئی، لندن اور امریکہ کے بینک اکاؤنٹس اور جائیدادوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔

عام سندھیوں کو ہمیشہ یہ بیانیہ بیچ کر بیوقوف بنایا جاتا ہے کہ کراچی میں سمندر ہے، اگر کراچی الگ صوبہ بن گیا تو اندرونِ سندھ کے لیے بقا کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ لیکن کوئی ان سے یہ نہیں پوچھتا کہ پچھلے پچھتر سال سے زائد عرصے سے کراچی سندھ کا حصہ ہے اور اس کا اسی فیصد سے زائد ریونیو صوبائی حکومت کے پاس جاتا ہے، تو اس پیسے سے اندرونِ سندھ میں کون سی دودھ اور شہد کی نہریں بہا دی گئیں؟ اگر پنجاب کے پاس سمندر نہیں ہے اور وہ پھر بھی ترقی کر سکتا ہے، تو اربوں ڈالرز کے این ایف سی ، اندرونِ سندھ زرخیز زمینیں، گیس کے وسیع ذخائر، اور تھر میں کوئلے کی دولت ہونے کے باوجود کیوں پسماندگی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے؟

اس کا کڑوا سچ صرف ایک ہی ہے۔

عام اور معصوم سندھیوں کو دانستہ طور پر بنیادی سہولیات، تعلیم اور شعور سے محروم رکھا گیا ہے۔ انہیں معاشی طور پر ہاری اور غلام بنا کر رکھا گیا ہے تاکہ وہ اپنی دو وقت کی روٹی کے لیے بھی وڈیرے کے ڈیرے کے محتاج رہیں۔ انہیں ڈرایا جاتا ہے کہ اگر انہوں نے موجودہ حکمران سندھی حرامیہ کا ساتھ چھوڑا، تو مہاجر ان کا صوبہ تقسیم کر دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کراچی اور حیدرآباد کو انتظامی بنیادوں پر الگ بھی کر دیا جائے، تو عام سندھی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ نقصان صرف ان وڈیروں اور وزیروں کا ہوگا جنہیں پھر علاج کروانے، بچوں کو پڑھانے یا بیرونِ ملک جانے کے لیے کراچی آنے پر ایک الگ انتظامی اکائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آج سندھ کے عام اور غیور نوجوانوں کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ یہ لڑائی کبھی بھی سندھی اور مہاجر کی تھی ہی نہیں، بلکہ یہ لڑائی ایک ظالم اور استحصالی سندھی حرامیہ کے خلاف ہے۔ جب تک سندھ کا عام طبقہ اپنے حقوق کے لیے کھڑا نہیں ہوگا، جب تک وہ اپنے ووٹ کی طاقت سے ان سندھی جاگیرداروں اور کرپٹ سندھی وزراء سے حساب نہیں مانگے گا، تب تک سندھ واسیوں کا مقدر نہیں بدلے گا۔ جس دن سندھ کی عوام غلامی کے اس طوق کو اتار پھینکے گی، اسی دن سندھ کا ہر چھوٹا بڑا شہر جدید طرز کا حامل ہوگا، وہاں فیکڑیاں ہوں گی، لوگوں کو روزگار ملے گا، اور بہترین تعلیم و صحت کے مواقع ان کے اپنے علاقوں میں دستیاب ہوں گے۔

ورنہ سندھی وڈیروں کی غلامی میں تمہاری چار اور نسلیں مزید سو سال روتی رھیں گی اور زمانہ بہت آگے جا چکا ہو گا۔

صوبائی خود مختاری کا ڈرامہ: آئینی سراب اور صوبوں کی بلیک میلنگ

ابو حیان سعید
6 جون 2026

سننے اور پڑھنے میں کتنا دلفریب، سحر انگیز اور پر اثر ہے یہ تین الفاظ پر مشتمل ٹرائیکا **" صوبائی خود مختاری"**۔ کون احمق ہوگا جو اس تصور کی افادیت سے انکار کرے گا ؟ آئینی اور قانونی لال بجھکڑ تو جب اس موضوع پر لب کشائی کرتے ہیں تو فصاحت و بلاغت کے امام بنے نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس اصطلاح کے نفاذ سے ہی محروم طبقوں کی تقدیر بدل جائے گی اور صوبے جنت بن جائیں گے۔
اگر آئینِ پاکستان کی ایسی تمام شقیں، آرٹیکلز اور ان کے ذیلی کلازز ایک جگہ جمع کر لیے جائیں جن میں صوبائی خود مختاری کا صاف اور واضح الفاظ میں ذکر موجود ہے، تو گمان ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسی سیاسی جنت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جہاں صوبوں کو مطلق العنان حقوق میسر ہوں گے۔ پاکستان کے آئین میں ایسی ایسی شقیں موجود ہیں جو بظاہر صوبوں کو وفاق کے اندر ایک **"سپر اسٹیٹ" (Super State)** کا درجہ دے دیتی ہیں۔ لیکن عوام کے لیئے یہ سب صرف ایک گمان، ایک فراڈ اور ایک سیاسی سراب ہے ، حقیقت اس کے بالکل برعکس اور انتہائی بھیانک ہے۔

آئینی لبادہ اور زمینی حقائق کا تضاد
آئین کا چوتھا شیڈول، آرٹیکل 70، اور خصوصاً اٹھارویں ترمیم کے بعد مشترکہ فہرست (Concurrent List) کا خاتمہ بظاہر صوبوں کو قانون سازی کی مکمل آزادی دیتا ہے۔ آرٹیکل 142 واضح کرتا ہے کہ جو امور وفاقی فہرست میں نہیں، ان پر قانون بنانے کا مطلق اختیار صوبوں کا ہے۔ مالیاتی محاذ پر آرٹیکل 160 (NFC Award) کے تحت کلاز **3A** یہ تحفظ فراہم کرتا ہے کہ صوبوں کا حصہ پچھلے ایوارڈ سے کم نہیں کیا جا سکتا۔ مزید برآں،

آرٹیکل 172(3) صوبے کی حدود میں نکلنے والے تیل اور گیس پر صوبائی اور وفاقی حکومت کی برابر کی ملکیت (50:50) کا مژدہ سناتا ہے۔
لیکن سیاسی حقیقت یہ ہے کہ صوبائی خود مختاری کا یہ پورا ڈھانچہ دراصل ایک ایسا لالی پوپ ہے جسے صوبائی حکمران حرامیہ نے اپنے اقتدار کو طول دینے، وفاق کو بلیک میل کرنے اور اپنی لوٹ مار کو آئینی تحفظ فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

صلاحیت کا فقدان اور صوبائ حرامیہ کا کھیل

صوبائی خود مختاری کے اس غوغا میں اگر ہم پاکستان کے جغرافیائی اور سیاسی نقشے پر نظر ڈالیں تو تضاد کھل کر سامنے آتا ہے۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا (KP) جیسے صوبوں میں تو اتنی انتظامی و مالیاتی سکت ہی نہیں چھوڑی گئی کہ وہ اپنے آئینی اختیارات کو عوام کی فلاح کے لیے استعمال کر سکیں۔ وہ سیکیورٹی بحرانوں اور وفاق کی مرہونِ منت مالی امداد کے جال میں ایسے جکڑے ہیں کہ خود مختاری محض ایک خواب ہے۔
دوسری طرف، صرف پنجاب اور سندھ دو ایسے صوبے ہیں جنہوں نے "صوبائی خود مختاری" کے نام پر ایسا کھیل کھیلا ہے کہ شیطان کو بھی شرم آ جائے۔ پنجاب کی باری دیکھی جائے تو وہاں ن لیگ، ق لیگ اور پی ٹی آئی کی حکومتیں بدلتی رہیں، اور ہر ایک نے اس خود مختاری کو مرکز کے خلاف سیاسی سودے بازی اور اپنی بادشاہتیں قائم رکھنے کے لیے استعمال کیا۔

سندھ شریف کا 18 سالہ ماڈل: زرداری گینگ کا راج

پنجاب میں تو پھر بھی اقتدار کے چہرے بدلتے رہے، لیکن "سندھ شریف" کی داستانِ الم سب سے منفرد اور سنگین ہے۔ یہاں گذشتہ سترہ سالوں سے صرف اور صرف **"زرداری گینگ"** کی حکومت بلا شرکتِ غیرے راج کر رہی ہے۔
اس گینگ نے صوبائی خود مختاری کے تمام لالی پوپ خود کھائے ہیں اور عوام کو صرف بھوک، کچرے کے ڈھیر ، پسماندگی اور وڈیرہ شاہی کا جبر تحفے میں دیا ہے۔

جب بھی ان کی بیڈ گورننس، کرپشن یا احتساب کی بات کی جاتی ہے، تو یہ حرامیہ فوراً " سندھ کارڈ " سندھو دھرتی پانچ ہزار سال والی داستان اور "صوبائی خود مختاری خطرے میں ہے" کا واویلا شروع کر دیتی ہے۔ کراچی جیسے معاشی انجن کے وسائل پر صوبائی قبضے کو برقرار رکھنے اور کراچی کی ترقی کا راستہ روکنے کے لیے اسی آئینی خود مختاری کو ڈھال بنایا جاتا ہے۔

آئینی منافقت: بلدیاتی اداروں کا قتلِ عام

صوبائی حکومتوں کی اس خود مختاری کا سب سے بڑا فراڈ اور منافقت اس وقت بے نقاب ہوتی ہے جب ہم نچلی سطح پر اختیارات کی منتقلی کا جائزہ لیتے ہیں۔ آئین کا **آرٹیکل A-140** ہر صوبے کو پابند کرتا ہے کہ وہ بلدیاتی نظام قائم کرے اور سیاسی، انتظامی اور مالیاتی اختیارات نچلی سطح پر عوام کے نمائندوں کو منتقل کرے۔
سندھ اور پنجاب کے حکمرانوں نے وفاق سے تو صوبائی خود مختاری کے نام پر بے تحاشہ پیسہ اور تمام اختیارات چھین لیے، لیکن جب وہی اختیارات اپنے ہی صوبے کے اضلاع، شہروں اور دیہاتوں کو دینے کی باری آئی تو سانپ سونگھ گیا۔ انہوں نے بلدیاتی اداروں کو فنڈز اور اختیارات سے محروم کر کے مفلوج کر دیا، کیونکہ یہ صوبائ حرامیہ اقتدار کی مرکزیت پر یقین رکھتی ہے، عوام کی خود مختاری پر نہیں ہے۔

حاصلِ کلام :

جیسے کسی طوائف کے کوٹھے پر ہر چیز کی بولی لگتی ہے، بالکل اسی طرح صوبائی سطح پر ترقیاتی فنڈز، سرکاری نوکریوں، اور ٹھیکوں کی بندر بانٹ ہوتی ہے۔ پنجاب میں تو کسی اسکول میں دو کمروں کی تعمیر کا ٹھیکہ بیس کروڑ میں دے دیا جاتا ھے کمرے تیار بھی ھو جاتے ھیں لیکن سندھ میں ٹھیکے کی منظوری اور رقم کی فراھمی کے باوجود دو کمرے صرف کاغذات

میں بنتے ھیں ۔اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم، صحت اور زراعت جیسے کھربوں روپے کے شعبے صوبوں کو منتقل تو ہوئے، لیکن ان کا فائدہ ہسپتالوں اور اسکولوں کی شکل میں عوام کو ملنے کے بجائے وزراء، وڈیروں ، حکمرانوں کے دامادوں ، سسرالی رشتہ داروں اور ان کے چہیتے ٹھیکیداروں کی جیبوں میں چلا گیا جو دبئ کی پراپرٹیز کی شکل اختیار کر گیا ۔

پاکستان میں "صوبائی خود مختاری" کا راگ الاپنا محض ایک سیاسی ڈرامہ اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ذریعہ ہے۔ جب تک خود مختاری کا مطلب سینیٹ یا صوبائی اسمبلیوں کے ہالوں سے نکل کر گلی محلوں کے عام آدمی کی مالی اور سیاسی خود مختاری نہیں بنتا، تب تک یہ نعرہ صرف صوبائی لٹیروں اور سیاسی گینگز کے لیے وفاق کو بلیک میل کرنے اور اپنے کرپشن ماڈل کو تحفظ دینے کا ایک "دلفریب اور منافقانہ لالی پوپ" ہی رہے گا ، اس لیۓ **سندھ اور پنجاب کے این ایف ایوارڈ میں پچاس فیصد کمی کی جاۓ اور بقیہ پچاس فیصد براہ راست وفاق کے زیر انتظام کراچی و جنوبی پنجاب کو دیا جاۓ** ساتھ ھی طوائف کی نخریلی شرائط جیسی آئینی شقوں [160 (3A)] کو کچرے کے ڈبے میں پھینک دیا جاۓ ۔

لائف لائن یا سراب: دریائے سندھ کا سچ

ابو حیان سعید
2 جون 2026

سب سے پہلی بات یہ کہ عشق و محبت کا شعور جین زی کے بعد تقریبا ختم ھی سمجھیں ۔ جین الفا کے پاس بہت کچھ ھوگا لیکن عشق و محبت نایاب ھوگی ۔

سندھ میری جنم بھومی ھے ، سندھ ھی میری آن بان ھے ، کراچی کے ساحل سے کشمور تک سندھ میری دھرتی ھے ، سندھ میری پہچان ھے ، سندھ کمزور تو میں بھی کمزور، سندھو دریا سے محبت خمیر میں شامل ھے اور سندھو دریا کے پانی پر ھر حقدار کو اس کا جائز حق ملنا ھی سندھو دریا کی عظمت کی نشانی ھونی چاہیئے ، سندھ کے وسائل پر قبضہ اور لوٹ مار کرنے والوں کا میں جانی دشمن ھوں، سندھ کو ملنے والےاین ایف سی ایوارڈ کے سات ارب ڈالر کا حساب کتاب نہ دینے والوں کے خلاف میرا اعلان جنگ ھے، سندھ سے عشق اور محبت کا مطلب یہ کیسے ھو سکتا ھے کہ سندھ کو لوٹنے والے وڈیروں کی ھمہ وقت جی حضوری کی جاتی رھے اور وڈیروں کی غلاظت کو گلاب جامن سمجھ کر کھایا جائے، بہت سارے ایسا کر بھی رھے ھیں تو سائیں فارم 47 والی جمہوریت ھے میرے سندھی بھائ جو دل چاھے کھاتے اور اٹھاتے رھیں لیکن مجھے اس مقدس کام (کھانے اور اٹھانے) سے معذور سمجھا جائے ۔

کراچی، پاکستان کا معاشی انجن اور ساڑھے تین کروڑ سے زائد آبادی کا بے ھنگم جنگل ، دنیا کے ان چند بڑے شہروں میں شامل ہے جو سمندر کے کنارے آباد ہونے کے باوجود پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔ عشروں سے سرکاری دستاویزات اور نصابی کتابوں میں تو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ کراچی کو

پانی " دریائے سندھ " سے ملتا ہے جو کینجھر جھیل کے راستے شہر تک پہنچتا ہے۔ لیکن اگر سیاست اور بیوروکریسی کے پردے ہٹا کر دیکھا جائے، تو یہ پورا نظام ایک سراب سے زیادہ کچھ نہیں۔ کراچی کے حصے والا سندھو دریا کا پانی راستے میں ہی غائب ہو جاتا ہے اورکراچی شہر کو عملاً صرف قدرت (بارش) کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دریائے سندھ کا جغرافیہ اور سندھ میں آمد

دریائے سندھ (Indus River) صوبہ سندھ کی معاشی اور جغرافیائی لائف لائن ہے۔ یہ دریا پاکستان کے بالائی علاقوں سے ہوتا ہوا، پنجاب کی سرحد پار کر کے کشمور اور اوباڑو کے مقام سے صوبہ سندھ کی حدود میں داخل ہوتا ہے۔ سندھ میں اس کا پہلا استقبال گدو بیراج کرتا ہے۔ وہاں سے یہ دریا سندھ کے تقریباً 16 سے 18 اضلاع (بشمول سکھر، لاڑکانہ، دادو، نوابشاہ، حیدرآباد) کو سیراب کرتا ہوا جنوب کی طرف بڑھتا ہے اور آخر میں ضلع ٹھٹہ اور سجاول کے قریب کیٹی بندر کے مقام پر بحیرہ عرب میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔

سندھ میں داخلے کے وقت اس میں پانی کی مقدار مستقل نہیں رہتی:

گرمیوں اور مون سون (خریف) میں: یہ آمد عام دنوں میں 1,50,000 سے 3,00,000 کیوسک اور سیلاب کے دنوں میں 8 سے 12 لاکھ کیوسک تک پہنچ جاتی ہے۔

سردیوں اور خشک سالی (ربیع) میں: بالائی علاقوں میں پانی کی قدرتی قلت کے باعث یہ آمد خطرناک حد تک گر کر صرف 20,000 سے 25,000 کیوسک رہ جاتی ہے، جس سے نیچے کے بیراج سوکھ جاتے ہیں.

ایک طرف جہاں کراچی گرمی ہو یا سردی بوند بوند پانی کو ترستا ہے، وہیں دوسری طرف مون سون کے سیزن میں دریائے سندھ کے راستے آنے والا لاکھوں کیوسک سیلابی پانی بغیر کسی ذخیرے کے مہینوں تک سمندر میں ضائع ھوتا رہتا ہے۔ کینجھر جیسی جھیلوں کی گنجائش مٹی بھرنے کی وجہ

سے آدھی رہ چکی ہے، اور سندھ حکومت نے سیلاب کے پانی کو روکنے کے لیے کوئی نئے ریزروائرز یا سمال ڈیمز نہیں بنائے کیونکہ کچے کی سندھ حکومت میں شامل وزرا کو دبئ میں پراپرٹیز بنانے سے فرصت ملے تب سندھ حکومت سندھ کے بارے میں کچھ سوچے ! نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب قدرت پانی دیتی ہے تو ہمارے پاس برتن نہیں ہوتا، اور جب قدرت پانی روکتی ہے تو وڈیرے کراچی کا حق چوری کر لیتے ہیں اور یہ لطیفہ سننے کو ملتا ھے کہ" جب بارش ھوتا ھے تو پانی آتا ھے اور جب زیادہ بارش ھوتا ھے تو زیادہ پانی آتا ھے ۔" ورنہ ھم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ بارش میں آسمان سے دودھ آتا ھے ۔

سندھ کی زراعت اور ماہی پروری کا بوجھ

دریائے سندھ صرف پینے کا پانی فراہم نہیں کرتا بلکہ یہ صوبے کے معاشی ڈھانچے کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے۔

زرعی اراضی: سندھو دریا سندھ کی تقریباً 82 لاکھ ایکڑ قابلِ کاشت زمین کو زندگی دیتا ہے، جہاں گندم، کپاس، چاول ، مکئ اور گنے کی زبردست فصلیں ، سبزیوں، کھجور ، کیلے و آموں کے وسیع باغات موجود ہیں۔ لاکھوں جانوروں کے لئے مختلف اقسام کا چارہ بھی وافر مقدار میں پایا جاتا ھے ۔

ماہی پروری (Fish Farming): سندھ میں مچھلیوں کی پرورش کے لیے یہ دریا ریڑھ کی ہڈی ہے۔ صوبے میں تقریباً 1 لاکھ 21 ہزار ایکڑ پر فش فارمز پھیلے ہوئے ہیں، جن کی تعداد 6,000 سے زائد ہے، اور ان کا سب سے بڑا مرکز ٹھٹہ، بدین اور دادو کے اضلاع ہیں۔

کے بی فیڈر: صرف ایک نامیاتی نہر

دستاویزات کے مطابق کوٹری بیراج سے نکالی گئی "کلری بگھار فیڈر" (KB Feeder) وہ نہر ہے جو کینجھر جھیل کو دریائے سندھ کے پانی سے بھرتی ہے۔ لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ کے بی فیڈر اب صرف ایک " نام" رہ گیا ہے۔ سال کے بیشتر مہینوں میں، خصوصاً ربیع کے سیزن میں، یہ نہر ایک

خشک سڑک یا مٹی کے ڈھیر کا منظر پیش کرتی ہے۔ صفائی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پیندے میں ریت جمع ہو چکی ہے اور پانی کا قدرتی بہاؤ ختم ہو چکا ہے۔

وڈیرہ شاہی، پانی کی چوری اور ہزاروں لفٹ پمپس

کے بی فیڈر کے خشک ہونے اور کینجھر جھیل تک پانی نہ پہنچنے کی سب سے بڑی وجہ کوئی قدرتی آفت نہیں، بلکہ سندھ کی بااثر وڈیرہ شاہی کی بے رحم پانی چوری ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق، گدو بیراج سے لے کر کوٹری اور کے بی فیڈر کے پورے روٹ پر 15,000 سے 20,000 غیر قانونی لفٹ پمپس اور پیٹر انجن نصب ہیں۔ صرف کراچی کو پانی دینے والے روٹ پر 500 سے 800 کے قریب بڑے بڑے بھاری انڈسٹریل پمپس (8 انچ سے 24 انچ قطر والے) لگے ہوئے ہیں۔ بااثر سیاسی وڈیرے ان پمپس کے ذریعے کراچی کے پینے کا پانی چوری کر کے اپنے نجی فش فارموں اور گنے و کیلے کے باغات کو سیراب کرتے ہیں۔ محکمہ انہار اور مقامی انتظامیہ ان طاقتور چوروں کے سامنے مکمل طور پر بے بس ہے۔

پمپس کے ذریعے کراچی کے پانی کا قتلِ عام

سب سے بڑا اور دردناک سوال یہ ہے کہ ان غیر قانونی لفٹ پمپس کے ذریعے کراچی کا کتنا پانی چوری ہو رہا ہے؟ تکنیکی اعداد و شمار کے مطابق یہ چوری اتنے بڑے پیمانے پر ہے کہ شہر کا آدھا واٹر کرائسز صرف اسی چوری سے جڑا ہے:

گیلن کا نقصان: کاغذات کے مطابق کراچی کو کینجھر جھیل کے نظام سے روزانہ تقریباً 650 ملین گیلن (MGD) پانی ملنا چاہیے۔ لیکن یہ لفٹ پمپس روزانہ اس میں سے 150 سے 200 ملین گیلن (MGD) پانی چوری کر لیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کراچی کے حق کا تقریباً 25% سے 30% پانی کینجھر جھیل پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں غائب کر دیا جاتا ہے۔

کیوسک کا نقصان: کراچی کو دریائے سندھ سے کل 1,200 کیوسک پانی الاٹ ہے۔ وڈیروں کے بھاری انڈسٹریل پمپس سیکنڈوں میں نہر سے 300 سے 400 کیوسک پانی مسلسل چوس رہے ہوتے ہیں۔ یہ چوری خاص طور پر مئی اور جون کے مہینوں میں عروج پر پہنچ جاتی ہے۔
کراچی پر اثر (ٹینکر مافیا کا راج): جب پیچھے سے پانی چوری ہو جاتا ہے، تو کراچی کے سب سے بڑے پمپنگ اسٹیشن "دھابیجی" پر پانی کا لیول گر جاتا ہے۔ پمپس ائیر لاک ہو جاتے ہیں اور شہر کی سپلائی لائنیں سوکھ جاتی ہیں۔ اسی مصنوعی قلت کا فائدہ اٹھا کر شہر میں "ٹینکر مافیا" کا راج شروع ھوتا ہے، اور جو پانی شہریوں کو نلوں کے ذریعے سستا ملنا تھا، وہی پانی عوام ٹینکرز کے ذریعے ہزاروں روپے میں خریدنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

کے-فور (K-IV) کا سب سے بڑا جھوٹ پانی کہاں ہے؟

کے فور منصوبے کا شور مچا کر کراچی پر احسان جتانے والے ایک سندھی ماھر آب سے گذشتہ سال ایک سیمینار کے آخر سوال و جواب کے سلسلے کے دوران میں نے ان ماھر آب سے پوچھا
” جب کینجھر جھیل پہلے ہی سوکھ رہی ہے، کے بی فیڈر خالی ہے، اور وڈیرے پچھلا پانی چوری کر رہے ہیں، تو کراچی کے سب سے بڑے زیرِ تعمیر منصوبے کے-فور (K-IV) کے لیے روزانہ مزید 650 ملین گیلن پانی کہاں سے آئے گا؟ تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگ گئے کہ جی ارسا ھمارا پانی چوری کر رھا ھے --- یہ وہ سوال ہے جہاں ماھرین آب اور سندھی بیوروکریسی کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔
وفاقی ادارے ارسا (IRSA) نے کاغذوں پر تو کراچی کے لیے دریائے سندھ سے 1200 کیوسک کا کوٹہ منظور کر رکھا ہے۔ روٹ کو بھی کینجھر سے بدل کر کالی ملوک اور جھمپیر کے متبادل کینال سسٹم سے جوڑا جا رہا ہے، لیکن یہ سب صرف "پائپ لائنوں کا روٹ" ہے، "پانی" نہیں ہے۔

پانی کا نہ ہونا اور صوبائی جنگ: اصل سچ یہ ہے کہ دریائے سندھ میں کے-فور کو دینے کے لیے ایک بوند بھی اضافی پانی موجود نہیں ہے۔ جب کشمور کی سرحد پر نیا پانی آ ہی نہیں رہا اور سندھ میں سیلابی پانی کو جمع کرنے کا نظام ھی نہی ھے ، تو اول مرحلے پر کے فور فلاپ ھی ھونا ھے کیونکہ پانی ھے ھی نہی اور زبردستی کے-فور کو چلانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ٹھٹہ، بدین اور سجاول کے غریب کسانوں کا زرعی پانی کاٹ کر اس پائپ لائن میں ڈالا جائے گا۔ یہ ایک ایسا انتظامی المیہ ہے جو سندھ کے کسانوں اور کراچی کے شہریوں کو آپس میں لڑانے کا سبب بن رہا ہے۔

نئی نہر، نئے چور: اگر اربوں روپے لگا کر کے-فور کے اوپن کینال اور پائپ لائنیں بنا بھی دی گئیں، تو وہ بھی سندھ کے انہی اضلاع سے گزریں گی جہاں وڈیرہ شاہی قائم ہے۔ جب پرانی نہروں پر لگے 20 ہزار پمپس نہیں ہٹائے جا سکے، تو کے-فور کے روٹ کو ان چوروں سے بچانا ناممکن ہوگا۔

اصل حقیقت: کراچی صرف بارش کے پانی پر زندہ ہے

جب دریا کا پانی وڈیرے ہضم کر جاتے ہیں، کے بی فیڈر خالی ہو جاتی ہے اور کے-فور کے لیے پانی موجود ہی نہیں، تو کینجھر جھیل کیسے بھرتی ہے؟ یہاں سامنے آتی ہے وہ سب سے بڑی حقیقت جسے سرکاری طور پر چھپایا جاتا ہے: کراچی کے حصے میں عملاً صرف بارش کا پانی آتا ہے۔
کینجھر جھیل کے ارد گرد "کوہستان" کا پتھریلا اور پہاڑی سلسلہ ہے۔ جب بھی اس خطے میں برسات ہوتی ہے، تو پہاڑوں سے نکلنے والے درجنوں قدرتی ندی نالے (جیسے کلو کھبر اور ہدیارو) لاکھوں گیلن بارشی پانی لے کر کینجھر جھیل میں گرتے ہیں۔ یہ بارش کا پانی ہی ہے جو جھیل کے لیول کو برقرار رکھتا ہے اور کراچی کی چند گھونٹ کی پیاس بجھاتا ہے۔ جس سال بارشیں اچھی ہوں، کراچی کو کچھ پانی مل جاتا ہے، لیکن جس سال برسات نہ

ہو، کراچی بوند بوند کو ترس جاتا ہے کیونکہ دریا کے پانی پر وڈیروں کا قبضہ ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام اور حل

کراچی کا واٹر کرائسز پانی کی "قدرتی کمی" کا نہیں، بلکہ سیاسی گٹھ جوڑ، وڈیرہ شاہی کی دادا گیری اور انتظامی نااہلی کا نتیجہ ہے۔ کے-فور جیسے میگا پراجیکٹس اس وقت تک لوہے کے بے جان پائپ رہیں گے جب تک دریا کو چوروں سے آزاد نہیں کرایا جاتا۔

مستقل حل کے لیے روایتی بیانات سے ہٹ کر ہنگامی اقدامات ناگزیر ہیں۔

کہا جاتا ھے کہ رینجرز اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے مہم چلا کر کے بی فیڈر اور کوٹری روٹ پر لگے تمام وڈیروں کے غیر قانونی لفٹ پمپس کو فوری طور پر مسمار اور ضبط کیا جائے لیکن کیا یہ کام امریکن سینٹرل کمانڈ سینٹکام آکر کرے گی ؟

کے بی فیڈر کی مکمل بھل صفائی کی جائے اور اسے پکا (Re-lining) کیا جائے تاکہ پانی کا زیاں روکا جا سکے لیکن اس کام کے لئے کافی پیسے چاہیئں اور سندھ کو ملنے والا پیسہ تو دبئ کی شان بڑھانے میں لگ جاتا ھے ۔

دریائے سندھ اور وڈیروں کے رحم و کرم پر انحصار کم کرنے کے لیے کراچی کے ساحل پر سمندری پانی کو میٹھا کرنے والے (Desalination) پلانٹس لگائے جائیں، جو دنیا بھر کے ساحلی شہروں کا مستقل حل ہے لیکن اس کام میں 100 ارب روپے لگا دیئے تو دبئ والے ناراض ھو جائیں کہ سندھی حکومت دبئ کی بجائے کراچی پر پیسہ لگا رہی ھے !

کے-فور بمقابلہ ڈی سیلینیشن

اگر حکومت کے-فور (K-IV) جیسے منصوبوں پر، جن کے لیے دریا میں پانی ہی موجود نہیں ہے، 100 ارب روپے سے زائد خرچ کر رہی ہے، تو اس کے

مقابلے میں 50 ارب روپے میں MGD 100 کا ڈی سیلینیشن پلانٹ کراچی کے ساحل پر لگایا جا سکتا ہے۔ وڈیروں کا غلام فاترالعقل کوئ سندھی یہ کہانی نہ سنائے کہ ڈی سیلینیشن پراسس پر خرچہ آتا ھے تو گدھو پرشاد جی کراچی کے پیسوں میں سے دس بیس ارب کا خرچہ ھو جائے گا تو کون سی آفت آن پڑے گی۔ یہ پیسے ھم بلاول کی چڈی نیلام کر کے تھوڑا جمع کریں گے ۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کراچی کو وڈیروں کی پانی چوری اور کے بی فیڈر کے سوکھنے کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی اور شہر کو اپنے ہی ساحل سے مستقل پانی ملتا رہے گا ۔

اگر اس لائف لائن کو چوروں اور مٹی کے ڈھیر سے نجات نہ دلائی گئی، تو ساڑھے تین کروڑ سے زائد آبادی والا یہ معاشی انجن ہمیشہ بادلوں کی طرف دیکھنے پر مجبور رہے گا اور یہ بحران کسی بڑے انسانی المیے میں تبدیل ہو جائے گا۔